اہل السنّت والجماعۃ کون؟

حافظ نذیر احمد ہاشمی

اَھل کا معنی ومفہوم

ابن منظور افریقی لسان العرب میں لکھتا ہے:

اَلْاَھْلُ ۔ اھل الرجل وَاَھْلُ الدار[1]

''کسی شخص کے متعلقین یا گھر والے''۔

فیروز آبادی نے لکھا ہے:

اھل الرجل:عشیرته وذووا قرباہ۔ والجمع أھلون وأھال وآھال وأھلاتٌ[2]

''اھل الرجل کا معنی اس کا کنبہ اور رشتہ دار ہیں اس کی جمع أھلون' أھال' آھال اور أھلات آتی ہیں۔''

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ عبرانی زبان میں اھل کے مادے سے ohel کے معنی خیمہ کے ہیں' یعنی وہ لوگ جو کسی کے ساتھ ایک خیمہ میں رہتے ہوں۔ پھر مجازاً آدمی کے قریبی رشتہ داروں پر ''اھل بیت الرجل'' کا لفظ بولا جانے لگا اور عرف میں ''اھل البیت'' کا لفظ آنحضرت ﷺ کے خاندان پر بولا جانے لگا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ.....﴾ (الاحزاب:۳۳)[3]

جب اہل کسی شہر یا ملک کے لوگوں کے متعلق مستعمل ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے اس شہر یا ملک کے باشندے۔ مثلاً اہل مدین' اہل یثرب اور اہل القریٰ وغیرہ۔

اس لفظ سے دوسرے تصورات بھی وابستہ ہیں اور اس قسم کی ترکیبوں میں اس کا استعمال قدرے غیر معین معنی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں ''کسی چیز میں حصہ دار'' یا ''اس سے منسوب'' یا ''اس شے کا مالک'' وغیرہ۔ بعض مرکبات میں (جو بہت کثرت سے استعمال ہوتے ہیں) اہل' جزو ترکیبی ہے' مثلاً اھل الامر وغیرہ۔ اھل المذھب من یدین به واھل الامر وُلاته واھل البیت سُکّانه واھل الاسلام من یدین به[4]

دین میں اشتراک کے لیے یہی لفظ ''اہل'' قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کے بیٹے کے سلسلے میں کہا گیا: ﴿اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ (ھود:٤٦) یہاں اہل میں سے نہ ہونے کی وجہ دین اور طریق میں عدم اشتراک ہے۔ نوح علیہ السلام کا بیٹا حقیقی معنوں میں تب اہل ہوتا اگر وہ دین اور طریق میں بھی ان کے نقش قدم پر چلتا۔

بقول صاحب لسان العرب اہل کے معنی سزاوار اور شایانِ شان کے بھی ہوتے ہیں۔

هو اهل لكذا اى مستوجب له (٥)

آیت قرآنی ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ (النساء:٥٨) میں اہل سے مراد امانت والے بھی' اور سزاوار اور مستحق لوگ بھی ہیں۔ اہلیت سے مراد صلاحیت اور قابلیت بھی ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ امانتیں اور اختیارات ان لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے قابل ہوں' نااہل لوگوں کے سپرد مت کرو۔

اہل القرآن کا معنی: **هم اهل الله وخاصته اى حفظة القرآن العاملون به** (٦)

''اہل قرآن سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ والے ہیں اور قرآن سے اختصاص رکھتے یعنی قرآن مجید کے محافظ اور اس پر عمل کرنے والے ہیں۔''

دوسرا لفظ سنت ہے' جس کا لغوی مفہوم راستہ' عادت' رسم اور شریعت ہے' اور اصطلاحی مفہوم وہ باتیں جن کے کرنے کا حکم آنحضرت ﷺ نے قولاً' فعلاً یا تقریراً دیا یا ان سے منع فرمایا ہو۔

سنت میں خلفاءِ راشدین کی سنت بھی شامل ہے' جیسا کہ سنن ابی داؤد کی روایت ہے:

((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا .....)) (٧)

امام راغب فرماتے ہیں:

''سنت النبی ﷺ کا مفہوم حضور ﷺ کا وہ طریق جس پر آپؐ عملی زندگی میں کاربند رہے''۔ (٨)

ابن الاثیر نے النہایہ میں لکھا ہے:

السنة :الاصل فيها الطريقة والسيرة واذا اطلقت فى الشرع فانما يراد بها ما أَمَرَ به النبى ﷺ ونهى عنه وندب اليه قولاً وفعلاً مما لم ينطق به الكتاب العزيز (٩)

''سنت کا اصل معنی طریقہ ہے' اور جب شریعت میں سنت کا لفظ بغیر کسی اور قید کے استعمال ہو تو اس سے مراد وہ امور ہوتے ہیں جن کا آپؐ نے حکم فرمایا ہو یا ان سے منع فرمایا ہو' قول کے ذریعے یا فعل کے ذریعے' اور وہ امور ایسے ہوں جن کی تصریح قرآن مجید میں نہ ہوئی ہو۔''

محب اللہ بہاری نے مسلم الثبوت میں لکھا ہے:

ما صدر عن النبى ﷺ من غير القرآن من قول او فعل او تقرير (١٠)

''سنت وہ امور ہیں جو نبی مکرم ﷺ سے قرآن مجید کے علاوہ قول' فعل' یا تقریر کی صورت میں صادر ہوں۔''

اہل السنّت کا اصطلاحی مفہوم

مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں (سنی اور شیعہ) میں سے مقدم الذکر کا نام اہل السنّت ہے۔ یعنی سنت رسول اللہ ﷺ اور آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر عمل پیرا ہونے والے لوگ۔ بالفاظ دیگر اس فرقے کا اطلاق ان اشخاص پر ہوتا ہے جن کے اعتقادات' اعمال اور مسائل کا محور رسول اللہ ﷺ کی سنت صحیحہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار ہیں۔

الجماعۃ کا مفہوم

الجماعة : ماده ج م ع

جمع کے معنی ہیں اکٹھا کیا' اتفاق کیا' متفرق چیزوں کو قریب لا کر ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا۔

جماعۃ کے معنی بقول ابن منظور افریقی:

عدد كل شيءٍ وكثرته (۱۱)

''ہر ایک شے کی تعداد اور اس کی کثرت''۔

مادہ ج م ع کا استعمال اگرچہ قرآن مجید میں بارہا ہوا ہے تاہم لفظ ''الجماعة'' الفاظ قرآنیہ میں سے نہیں' البتہ حدیث مبارکہ میں جماعۃ کا لفظ مختلف معنوں میں بکثرت ہوا ہے۔

(۱) جماعۃ کا لفظ باجماعت نماز میں شریک ہونے والوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

((اَلْاِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ)) (۱۲)

''دو یا دو سے زیادہ مرد جماعت ہیں (انہیں باجماعت نماز پڑھنی چاہیے)''۔

((صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً)) (۱۳)

''باجماعت نماز کو اکیلے نماز پر ستائیس درجہ فضیلت حاصل ہے''۔

(۲) دوسرا استعمال مسلمانوں کی اس جماعت کے لیے ہوا ہے جو کسی امام کی اطاعت پر جمع ہو۔ یہ استعمال ان احادیث میں ہوا ہے جہاں یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ چنانچہ ابوادریس خولانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِيْ، فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّا كُنَّا فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَ نَا اللّٰهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ، فَهَلْ

بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ :((نَعَمْ)) قُلْتُ: وَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ : ((نَعَمْ وَفِيْهِ دَخَنٌ))۔ قُلْتُ وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ :((قَوْمٌ يَهْدُوْنَ بِغَيْرِ هَدْيِيْ تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ)) قُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ :((نَعَمْ دُعَاةٌ عَلٰى اَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ اَجَابَهُمْ اِلَيْهَا قَذَفُوْهُ فِيْهَا)) قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صِفْهُمْ لَنَا' قَالَ: ((هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُوْنَ بِاَلْسِنَتِنَا)) قُلْتُ فَمَا تَاْمُرُنِيْ اِنْ اَدْرَكَنِيْ ذٰلِكَ؟ قَالَ: ((تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِمَامَهُمْ)) قُلْتُ: فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُمْ جَمَاعَةٌ وَّلَا اِمَامٌ؟ قَالَ : ((فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ اَنْ تَعَضَّ بِاَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَاَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ))(۱۴)

''لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اور میں شر کے بارے میں زیادہ سوال کیا کرتا تھا اس ڈر سے کہ کہیں یہ شر مجھ پر نہ پڑ جائے۔ چنانچہ میں نے سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم لوگ جاہلیت اور شر کی حالت میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ یہ خیر ہمارے پاس لے آئے (ایمان واسلام اور امن وامان) تو کیا اس خیر کے بعد دوبارہ شر آئے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں آئے گا''۔ میں نے سوال کیا: کیا اس شر کے بعد دوبارہ خیر آئے گی؟ فرمایا: ''ہاں آئے گی مگر اس میں گدلا پن ہوگا''۔ میں نے سوال کیا: یہ گدلا پن کیسا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: ''ایسے لوگ آئیں گے جو میری سنت کے خلاف قوم کی رہنمائی کریں گے' تم ان میں اچھے کام بھی دیکھو گے اور برے بھی''۔ میں نے سوال کیا: اس قسم کی خیر کے بعد پھر شر آئے گا؟ فرمایا: ''ہاں ایسا شر آئے گا کہ جہنم کے دروازوں پر بلانے والے بیٹھے ہوں گے اور جو لوگ ان کی دعوت قبول کریں گے وہ ان کو جہنم میں پھینک دیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ ان کی کچھ صفات بیان فرمائیے۔ فرمایا: وہ ہماری ہی قوم میں ہوں گے اور ہماری ہی زبان بولیں گے۔ میں نے کہا: اگر یہ حالات مجھ پر آ گئے تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''مسلمانوں کی جماعت اور مسلمانوں کے امام کے ساتھ چمٹے رہو''۔ میں نے عرض کی: ''اگر مسلمانوں کی جماعت بھی نہ ہو اور ان کا کوئی امام بھی نہ ہو تو پھر کیا کروں گا؟ آپؐ نے فرمایا: ''ان سارے فرقوں سے الگ رہو اگرچہ تمہیں کسی درخت کی جڑوں کو دانتوں سے مضبوط پکڑنا پڑے یہاں تک کہ جب تم پر موت آئے تو تم اسی حالت پر ہو''۔

(۳) تیسرا استعمال عامۃ المسلمین کے لیے بھی ہوا ہے جنہیں قوم' ملک' نسل' رنگ اور زبان کے اختلافات سے قطع نظر محض دینی اور اسلامی رشتے نے ایک قوم بنا دیا ہو۔ مثلاً ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

((فَاَمَّا الْحُيَّضُ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلْنَ مُصَلَّاهُمْ)) (۱۵)

''حائضہ عورتیں بھی مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ عیدگاہ میں حاضر ہو جائیں اور ان کی دعاؤں میں شرکت کریں' البتہ ان کی نماز پڑھنے کی جگہ سے الگ رہیں''۔

(٤) چوتھا استعمال سنت کے معنوں میں ہوا ہے:

اما ترك السنة فالخروج من الجماعة (١٦)

''سنت کو چھوڑ دینا جماعت سے نکل جانا ہے''۔

حنبلی عقیدے میں یہ خیال برابر کام کرتا رہا ہے کہ حقیقی مسلمان بننے اور جماعتِ مسلمین میں شامل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اُسوہ کو سمجھنے اور اس کی پیروی کرنے کے لیے جماعتِ صحابہؓ کے تعامل پر نظر رکھی جائے۔ چنانچہ ایک حنبلی عالم ابن بطة العکبری نے لکھا ہے:

''لزومِ جماعت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسلک یا ان کی پیروی کرنے والوں سے اتفاق مراد ہے''۔ (١٧)

ابن حزم نے الجماعة کی تشریح میں صحابہ کرام کے ساتھ تابعین عظام اور مابعد کے ائمہ کی پیروی بھی ضروری قرار دی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب **الاحکام فی اصول الاحکام** میں لکھا ہے:

هم الصحابة والتابعون لهم باحسان ومن اتى بعدهم من الائمة (١٨)

''یعنی صحابہ کرام، تابعین عظام اور بعد میں آنے والے ائمہ''۔

جماعت کے تصور اور اس کے لوازم و شرائط کے بارے میں مختلف مکاتب فکر میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ عبدالقاہر بغدادی نے اپنی کتاب کے دوسرے باب کی پہلی فصل میں اس پر روشنی ڈالی ہے، اور اس میں انہوں نے معنی کے لحاظ سے الجماعة کے مفہوم میں وسعت کا رجحان ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

والصحيح عندنا ان امة الاسلام تجمع المقرين بحدوث العالم وتوحيد صانعه وقدمه وصفاته وعدله وحكمته ونفى التشبيه عنه ونبوة محمد ﷺ ورسالته الى الكافة وبتأييد شريعته وبان كل ما جاء به الحق وبان القرآن منبع احكام الشريعة وان الكعبة هى القبلة التى تجب الصلوٰة اليها فكل من اقرّ بذٰلك كله ولم يشبه ببدعة تؤدى الى الكفر فهو السُّنّى الموحّد ۔(١٩)

''ہمارے نزدیک صحیح یہی ہے کہ جو شخص حدوث عالم، خالق کائنات کی وحدانیت وقدامت، اس کی صفات، اس کی عدل وحکمت اور اس کی ذات کے کسی کے مشابہ نہ ہونے اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت اور ان کے پیغام کے تمام انسانوں کے لیے کافی اور برحق ہونے کا اعتقاد رکھے نیز قرآن کو احکامِ شریعت کا سرچشمہ سمجھے اور کعبے ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کو فرض سمجھے اور علاوہ ازیں کسی ایسی بدعت میں ملوث نہ ہو جو کفر تک پہنچانے والی ہو تو ایسا شخص سنی اور موحد ہے۔ یعنی ملتِ اسلامیہ کے سوادِ اعظم اہل سنت والجماعت میں شامل ہے''۔

جبکہ اس کے برعکس حنبلی عقیدے میں دائرہ تنگ کرتے ہوئے اس پر زور دیا گیا ہے کہ سنتِ نبوی اور سنت

صحابہؓ سے سرِ موانحراف نہ ہو ورنہ الجماعۃ کا مفہوم اس پر صادق نہ آسکے گا۔

طبری کا رجحان اس طرف ہے کہ الجماعۃ کا مفہوم صرف صحابہ کی جماعت تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ لزوم الجماعۃ کے معنی ہیں کسی خاص زمانے تک محدود کیے بغیر ہر زمانے کے صحیح العقیدہ مسلمانوں کا اتفاقِ رائے۔

(۵) فقہاء کے ہاں جماعت کا لفظ باجماعت نماز ادا کرنے والوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ محمد اعلیٰ تھانوی نے کشاف اصطلاحات الفنون میں بذیل مادہ ج' م' ع لکھا ہے:

الفقهاء يريدون بها صلوة الامام مع غيره

اسی طرح فقہاء کے ہاں جماعت کا اصولی مفہوم وہ جماعتِ صحابہؓ ہے جو نماز میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوا کرتی تھی۔ بعد میں نماز سے قطع نظر اس لفظ سے صحابہ کی پوری جماعت مراد لی گئی۔

(٦) الجماعۃ بمعنی اہل السنّت والجماعت: احادیث میں الجماعۃ کا اطلاق ان تمام مسلمانوں پر بھی ہوا ہے جو فکر و عمل کے اعتبار سے سنّتِ رسول اور سنّتِ اصحابِ رسول کا التزام کرتے ہیں' جن کو اصطلاح میں اہل السنّت والجماعت کہا جاتا ہے۔ الجماعۃ کا یہ مفہوم اس حدیث سے ماخوذ ہے جو حدیثِ افتراقِ اُمّت کے نام سے مشہور ہے:

عن مُعاوية ﷺ قال: أَلَا إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ فِيْنَا فَقَالَ: ((أَلَا إِنَّ مَنْ قَبْلَكُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ افْتَرَقُوْا عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً وَإِنَّ هٰذِهِ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ: ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ)) وفي رواية ابن يحيى وعمرو **((وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِيْ أُمَّتِيْ أَقْوَامٌ تَجَارٰى بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ لِصَاحِبِهِ)) وقال عمرو: "الكلب بصاحبه لا يبقى منه عرق ولا مفصل الا دخله"** (۲۰)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا: ''لوگو سنو! جو اہل کتاب تم سے پہلے گزر چکے ہیں وہ بہتّر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور یہ ملت (میری اُمت) تہتّر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی' جن میں سے بہتّر (۷۲) جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا' یہی جنّت میں جانے والے الجماعۃ ہیں''۔ دوسری روایت (ابن یحییٰ اور عمرو سے منقول) میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ ''میری اُمّت میں ایسے گروہ بھی ظاہر ہوں گے جن کے اندر یہ خواہشات نفسانی اس طرح پھیل جائیں گی جس طرح پاگل کتّے کے کاٹے ہوئے شخص کے جسم میں اس کے جراثیم پھیل جاتے ہیں۔'' یعنی اس کی کوئی رگ اور جوڑ ایسا نہیں ہوتا جس میں جراثیم داخل نہ ہوئے ہوں۔

اور سنن الترمذی کی روایت ہے:

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللہ عنہما قال قال رسولُ اللّٰہ ﷺ :((لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ مَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْھُمْ مَنْ اَتٰی اُمَّہٗ عَلَانِیَۃً لَکَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ یَصْنَعُ ذٰلِکَ، وَاِنَّ بَنِیْ اِسْرَاءِ یْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً، کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً)) قَالَ : وَمَنْ ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ : ((مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ)) (۲۱)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں فرقہ ناجیہ کی تعیین کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا:((مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ)) یعنی فرقہ ناجیہ وہ جماعت ہوگی جو میری سنّت اور میرے صحابہ کی سنّت پر قائم اور عامل ہوگی۔

افتراقِ اُمّت کی اس حدیث میں جن بہتّر (۷۲) فرقوں کا ذکر ہوا ہے وہ بھی اُمّت مسلمہ اور اہل قبلہ سے تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود ہی فرمایا تھا: ''وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملۃً'' بالفاظِ دیگر آپ ﷺ نے ان سارے فرقوں کے لیے ''اُمَّتِیْ'' کا لفظ استعمال فرمایا تھا۔ لیکن یہ بہتّر (۷۲) فرقے خواہشاتِ نفسانی اور قرآن وسنت کی نصوص میں غلط اور باطل ومن مانی تأویلات کر کے سنّت رسولؐ اور سنّت اصحابِ رسولؐ کے خلاف بدعات وخرافات کے راستے نکال کر ان پر چل پڑے۔ ان بہتّر بدعتی فرقوں نے اسلام سے اپنا تعلق توڑے بغیر سوادِ اعظم سے اپنے راستے الگ کر لیے تھے۔ یہ بہتّر بدعتی فرقے کون ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے نہ تو ان کے نام بتائے اور نہ ہی ان کے عقائد ونظریات کی تفصیل بتائی ہے، بلکہ ان کی پہچان کے لیے ایک جامع قسم کی صفت اور علامت بتا دی جس سے وہ پہچان لیے جائیں گے اور وہ امتیازی وصف وعلامت سنت رسولؐ، سنت خلفائے راشدین اور سنت اصحاب رسولؐ کا التزام چھوڑ کر ہوائے نفس کا اتباع کرنا ہے۔ چنانچہ اس فرقہ ناجیہ کی تشریح کبھی آپ ﷺ نے ''مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ'' سے کی اور کبھی ''عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ'' سے اور کبھی ''عَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ'' سے۔ چنانچہ ان فرقوں کے ظہور کے وقت مسلمانوں نے انہیں پہچان لیا اور محدثین نے ان کے نام اور عقائد معلوم کر کے اُمت مسلمہ کو ان سے اجتناب کرنے کی ہدایت کی۔

''الجماعۃ'' کا یہ مفہوم (یعنی اہل السنّت والجماعت) اس حدیث سے بھی ماخوذ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَاَنَا اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ، اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ : السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْجِھَادِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجَمَاعَۃِ، فَاِنَّہٗ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ قِیْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہٖ اِلَّا اَنْ یَرْجِعَ ۔ وَمَنِ ادَّعٰی دَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ فَاِنَّہٗ مِنْ جُثَا جَھَنَّمَ)) فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

وَاِنْ صَلّٰی وَصَامَ؟ فَقَالَ: ((وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی، فَادْعُوْا بِدَعْوَی اللّٰہِ الَّذِیْ سَمَّاکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ عِبَادَ اللّٰہِ)) (۲۲)

''اور میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے۔ سننا' ماننا' جہاد کرنا' ہجرت کرنا اور الجماعۃ کا التزام کرنا۔ اس لیے کہ جو شخص الجماعۃ سے بالشت برابر بھی الگ ہوا تو اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اُتار دیا' اِلا یہ کہ دوبارہ لوٹ آئے۔ اور جو لوگ جاہلیت (نسلی عصبیت) کی دعوت دیتے ہیں تو وہ جہنمی ہیں''۔ ایک شخص نے پوچھا اگر چہ وہ نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہوں؟ فرمایا: ''اگر چہ نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہوں۔ پس اللہ کے بندو! تم لوگوں کو اللہ کی جانب بلاؤ جس نے تم کو مسلمین اور مؤمنین کا نام دیا ہے''۔

ملا علی قاری نے ''مرقاۃ'' میں ''من خرج من الجماعة قيد شبرٍ'' کی وضاحت میں لکھا ہے:

من فارق ما عليه الجماعة بترك السنة واتباع البدعة (۲۳)

مذکورہ بالا بحث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ''الجماعة'' کا اطلاق تمام ان مسلمانوں پر ہوتا ہے جو سنت رسول ﷺ اور سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا التزام کرتے ہوں جن کو اہل السنّت والجماعت کہا جاتا ہے' اور التزامِ جماعت کا مفہوم یہ ہے کہ اہل السنّت والجماعت کے اصولوں کی پابندی کی جائے اور ان سے خروج وشذوذ نہ کیا جائے۔

اہل السنّت والجماعت کی اصطلاح

اہل السنّت والجماعت حضرات ائمہ اربعہؒ سے بھی پہلے تھے' لیکن اس وقت اس نام سے موسوم نہ تھے' بلکہ اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت تھی۔ یہ اصطلاح لفظی اعتبار سے اگر چہ دیر کے بعد ظہور میں آئی مگر عملی طور پر ملت اسلامیہ کی غالب اکثریت آغاز ہی سے اس پر کاربند تھی اور ایسے مصلحین کی بھی کمی نہیں رہی جو ملت کی وحدت کے لیے ہمہ تن سرگرم رہے۔ مثلاً امام اشعری سے پہلے ''الحاسبی'' (متوفی ۲۴۳ھ/۸۵۷ء) نے اہل السنّت کے عقائد کی تائید کی اور اس کے لیے علمِ کلام کو بطورِ ہتھیار استعمال کیا۔

یہ اصطلاح مکمل اور جامع شکل میں کب مروّج اور مستعمل ہوئی اس سلسلے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہے' البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ تیسری صدی ہجری میں خلیفہ متوکل (۲۳۲ھ/۸۴۶ء۔۸۴۷ تا ۲۴۷ھ/۸۶۱ء) کے عہد میں اور امام ابوالحسن الاشعری (۲۶۰ھ/۸۸۳ء۔۸۸۴ء تا ۳۲۴ھ/۹۳۶ء) کی تحریک کے بعد یہ اصطلاح عام ہوگئی۔ اس دور میں جمہور اُمت' جماعت اور اہل السنّت کی جگہ اہل السنّت والجماعۃ کی اصطلاح زیادہ مروّج ہوئی۔ (۲۴) الفرق الاسلامیہ کے مصنف کا قول نقل کرتے ہوئے الزعبی لکھتا ہے: ''اس دور میں لوگوں نے ابوالحسن الاشعری کا مذہب اپنا لیا اور اہل السنّت والجماعۃ کے نام سے موسوم ہوئے''۔ (۲۵)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور جنگ جمل وصفین کے واقعات نے ملّتِ بیضاء کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ نیز دوسرے ادیان اور فلسفیانہ افکار رکھنے والی اقوام سے اختلاط کے باعث اسلام میں بحث و مناظرہ کا بازار گرم ہوگیا' افکار میں اضطراب پیدا ہوگیا اور کئی ایک فرقے پیدا ہوگئے جن میں سے اصل فرقے چار ہیں: قدریہ (معتزلہ)' خوارج' روافض (شیعہ) اور مرجئہ۔ باقی جتنے چھوٹے بڑے فرقے اور گروہ بنے ہیں وہ انہی چار کی ذیلی شاخیں اور گروپ ہیں جو الگ الگ ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔(۲۶)

قاضی عضد وسید شریف نے شرح مواقف میں لکھا ہے کہ اسلام کے اصل آٹھ فرقے ہیں: معتزلہ' شیعہ' خوارج' مرجئہ' نجاریہ' جبریہ' مشبہہ اور ناجیہ (اہل السنّت والجماعت)۔ اس کے بعد ان آٹھ فرقوں کی ذیلی شاخوں اور گروپوں کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے: معتزلہ ۲۰' شیعہ ۲۲' خوارج ۲۰' مرجئہ ۵' نجاریہ ۳' مشبہہ ۱' ناجیہ ۱' کل ۷۳۔ مقریزی نے تاریخ مصر میں اصل فرقوں کی تعداد پانچ بتائی ہے: سنی' شیعہ' معتزلہ' خوارج' مرجئہ (۲۷) جبکہ شہرستانی نے لکھا ہے کہ بڑے بڑے اسلامی فرقے چار ہیں:

(۱) القدریہ (معتزلہ)' (۲) الصفاتیہ' (۳) الخوارج' (۴) الشیعہ۔

بعد ازاں ان فرقوں میں سے بعض بعض دوسروں کے ساتھ مل گئے ہیں اور ہر فرقہ سے متعدد اصناف (شاخیں) پھوٹ پڑی ہیں اور یوں ان کی تعداد تہتر فرقوں تک جا پہنچی۔(۲۸)

اسلامی فرقوں میں اختلاف کے اصول

شہرستانی نے وہ بڑے بڑے اصول بیان کیے ہیں جن کی اساس پر اسلامی فرقوں کی تعداد کا تعین ممکن ہے۔ ان کے خیال میں اختلاف کے اصول چار ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) صفات وتوحید باری تعالیٰ:

ایک جماعت صفاتِ ازلیہ کا اثبات کرتی ہے جبکہ دوسری جماعت اس کی نفی کرتی ہے۔ یعنی خدا کے متعلق قرآن مجید میں جو الفاظ اس قسم کے مذکور ہیں جو جسمانیات کے لیے مخصوص ہیں' مثلاً عرش پر متمکن ہونا ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵﴾ (طٰہٰ) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے جھرمٹ میں آنا ﴿وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝۲۲﴾ (الفجر) وغیرہ ان کے حقیقی معنی مراد ہیں یا مجازی؟ اس سوال نے متعدد فرقے پیدا کر دیے (اشعریہ' کرامیہ' مجسمہ اور معتزلہ)۔ محدثین اور اشاعرہ ان آیات سے حقیقی مفہوم مراد لیتے ہیں۔ پھر ان ہی میں سے بڑھتے بڑھتے دو فرقے مجسمہ اور مشبہہ نکل آئے جو اللہ کے ہاتھ پاؤں تک مانتے ہیں۔ جبکہ معتزلہ کے نزدیک ان آیات سے مجازی مفہوم مراد ہے۔ اسی وجہ سے ان کو منکرین صفات کہا جاتا ہے۔

اس مسئلہ کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ خدا کی صفات کو اگر قدیم مانیں تو تعددِ قدماء لازم آتا ہے اور

حادث مانیں تو خدا کا محل حوادث ہونا خدا کے حدوث کو مستلزم ہے۔ پہلی مشکل سے بچنے کے لیے معتزلہ نے یہ رائے اختیار کی کہ خدا کی علیحدہ صفات نہیں ہیں بلکہ اس کی ذات ہی سے وہ تمام نتائج حاصل ہوتے ہیں جو ہمیں صفات سے ہوتے ہیں۔ جبکہ محدثین سمجھے کہ یہ خدا کی صفات کا انکار ہے' اس بنا پر انہوں نے خدا کی جداگانہ صفات قرار دیں۔

(۲) قدر و عدل:

یہ چند مسائل پر مشتمل ہے' یعنی قضاء' قدر' جبر' کسب' خیر و شر' ارادۂ الٰہی مقدور اور معلوم۔ ایک جماعت ان کو ثابت کرتی ہے اور دوسری ان کی نفی کرتی ہے اور ان مسائل میں قدریہ (معتزلہ) نجاریہ' جبریہ' اشعریہ اور کرامیہ کے مابین اختلافات ہیں۔

وضاحت: انسان سے صادر ہونے والے افعال کو اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بس میں کچھ بھی نہیں' یہاں تک کہ ہمارا ارادہ اور خواہش بھی ہماری اختیاری نہیں ﴿وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ﴾ (الدھر) لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر ہم اپنے افعال میں مجبور ہیں تو مذہب کی جان (ثواب و عقاب کی بنیاد) اکھڑ جاتی ہے۔ قرآن مجید میں دونوں قسم کی آیتیں موجود ہیں۔ بعض میں صاف تصریح ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ خدا ہی کراتا ہے: ﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ (النساء:۷۸) اور بعض میں یہ تصریح ہے کہ انسان اپنے افعال کا آپ ذمہ دار ہے: ﴿وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾ (النساء:۷۹) اس بنا پر اہل اسلام میں دو رائیں قائم ہو گئیں۔ جو لوگ زیادہ آزاد تھے انہوں نے صاف صاف جبر کو مانا اور جبریہ کہلائے۔ جو اس لفظ میں جھجکتے تھے انہوں نے کسب و ارادہ کا پردہ رکھا اور اس کے موجد ابوالحسن اشعری تھے' ورنہ قدماء اس کا نام بھی نہیں لیتے۔ اس کے برعکس معتزلہ نے یہ رائے قائم کی کہ انسان اپنے تمام افعال میں مختار محض ہے' البتہ یہ اختیار اس کو اللہ نے دیا ہے' اس لیے اللہ کے اختیار مطلق میں اس سے فرق نہیں آتا۔

(۳) وعد و وعید' اسماء و احکام

ان میں ایمان' توبہ' وعید' ارجاء' تکفیر و تضلیل کے مسائل شامل ہیں۔ ان مسائل کا ایک جماعت ایک وجہ اور طریقہ پر اثبات کرتی ہے جبکہ دوسری جماعت ان کی نفی کرتی ہے۔ ان میں مرجہ' وعیدیہ' معتزلہ' اشعریہ اور کرامیہ کے درمیان اختلاف ہیں۔

وضاحت: ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں یا نہیں؟ چونکہ اکثر احادیث میں حیا وغیرہ کی نسبت یہ الفاظ ہیں: ''اِنَّهٗ مِنَ الْاِيْمَانِ'' اس لیے محدثین نے سمجھا کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں' لیکن اہل نظر جن میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سب سے پیش رو تھے' نے اس سے اختلاف کیا اور اعتقاد و عمل میں تفریق کی۔ محدثین نے ان لوگوں کا نام مرجہ رکھا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بہت سے محدثین مرجہ

کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

(۴) سمع، عقل، رسالت وامامت:

یہ مباحث چند مسائل پر مشتمل ہیں۔یعنی تحسین، تقبیح، صلاح، اصلح، لطف، عصمت نبی، شرائط امامت۔ یہ امامت ایک جماعت کے ہاں نص سے ثابت ہے اور دوسری کے نزدیک اجماعِ اُمت سے۔ جو لوگ امامت میں نص کے قائل ہیں ان کے مطابق اس کے منتقل ہونے کی کیفیت اور جو لوگ اجماع کا عقیدہ رکھتے ہیں ان کے نزدیک اس کے اثبات کی کیفیت۔شیعہ، خوارج، معتزلہ، کرامیہ اور اشعریہ کے درمیان ان امور میں اختلافات ہیں۔

وضاحت: تحسین و تقبیح کی وضاحت، عقل و نقل میں کس کو ترجیح ہے یا یہ کہ عقل و نقل کی کیا حدود ہیں؟ تمام اشاعرہ نقل کو اور معتزلہ وغیرہ عقل کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس اصول کی بنیاد پر جو تفصیلی عقائد قائم ہوئے ان میں سے چند ایک یہ ہیں:(۲۹)

اشعریہ: کوئی شے فی نفسہٖ اچھی یا بری نہیں، شارع جس شے کو اچھی کہہ دیتا ہے وہ اچھی اور جس کو بری کہہ دیتا ہے وہ بری ہو جاتی ہے۔	**معتزلہ**: ہر شے پہلے سے اچھی یا بری ہے۔شارع ایسی چیز کو اچھی کہتا ہے جو فی نفسہٖ اچھی تھی اور اس چیز کو بری کہتا ہے جو پہلے سے بری تھی۔
اشعریہ: اللہ محالات کا حکم دے سکتا ہے اور دیتا ہے۔	**معتزلہ و حنفیہ**: اللہ کسی محال چیز کا حکم نہیں دے سکتا۔
اشعریہ: اللہ پر عدل و انصاف کرنا ضروری نہیں۔	**معتزلہ**: ضروری ہے۔
اشعریہ: اللہ عبادت کے عوض میں عذاب دے سکتا ہے اور گناہ کے بدلے میں انعام۔ اور اگر وہ ایسا کرے تو ناانصافی نہیں ہے(۳۰)	**معتزلہ**: اللہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا اور ایسا کرے تو ظلم اور ناانصافی ہے۔

البغدادی نے ''الفرق بین الفرق'' میں اہل السنّت والجماعت کی آٹھ اصناف بیان کی ہیں۔اس کا خلاصہ ذیل میں پیش خدمت ہے۔

صنف (۱) میں وہ اصحابِ علم شامل ہیں جو توحید، نبوت، احکام، وعد و وعید، ثواب و عقاب، اجتہاد اور امامت و قیادت کے بارے میں صحیح اور کامل معلومات سے بہرہ ور ہیں اور انہوں نے خوارج وغیرہ اور تشبیہ و تعطیل کے معتقد متکلمین سے الگ راستہ اختیار کیا ہے۔

صنف (۲) میں فقہاء شامل ہیں جو قرآن و سنت اور اجماع صحابہؓ سے استنباط احکام کا منصب سنبھالے ہوئے ہیں۔جن میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اوزاعی، سفیان

ثوری' ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ ان کے اصحاب اور اہل الظاہر شامل ہیں۔

صنف سوم میں علماء حدیث شامل ہیں۔

صنف چہارم میں وہ علماء ادب ونحو وصرف شامل ہیں جو فرق ضالہ قدریہ' رافضہ اور خوارج وغیرہ سے الگ تھلگ رہے' جیسے خلیل بن احمد' ابوعمرو بن العلاء' سیبویہ' فراء' اخفش' اصمعی' مازنی' ابوعبید وغیرہ کو فیین وبصریین ائمہ نحو۔

صنف پنجم: وہ قراء اور مفسرین جو قراءاتِ قرآن اور تفسیر وتاویل آیاتِ قرآن میں مذہبِ اہل السنّت والجماعت کے پابند رہے۔

صنف ششم میں وہ زہاد وصوفیاء شامل ہیں جو توحید اور نفی تشبیہ کے قائل اور قناعت' تسلیم اور توکل کی صفات سے متصف ہیں۔

صنف ہفتم: وہ مجاہدین اور شمشیر بکف محافظین دین ہیں جن کا شیوہ اسلام اور اہل اسلام کے دشمنوں سے جہاد کرنا ہے' اور جو مملکتِ اسلامیہ کی حفاظت کے لیے ہمہ وقت تیار اور سر بکف رہتے ہیں۔

صنف ہشتم: وہ عوام الناس کا طبقہ ہے جو توحید' عدل' وعد ووعید وغیرہ کے بارے میں علماء اہل السنّت والجماعت کے عقائد کی تصویب اور حلال وحرام میں ان کی تقلید کرتے ہیں اور فرق ضالہ کی پھیلائی ہوئی بدعات میں سے کسی بھی بدعت کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ (۳۱)

فرقہ ناجیہ کے اہم ستون

اہل السنّت والجماعت کے اہم ستون دو ہیں: (۱) اشاعرہ (۲) ماتریدیہ

علامہ عبدالباقی المواہبی حنبلی لکھتے ہیں:

طوائف اهل السنة ثلاثة :اشاعرة ' ماتريدية و حنابلة (۳۲)

''اہل السنّت کے تین گروہ ہیں: (۱) اشاعرہ' (۲) ماتریدیہ' (۳) حنابلہ۔

صاحب عقیدہ سفارینیہ امام محمد السفارینی حنبلی نے لکھا ہے:

اهل السنة والجماعة ثلاث فرق: الاثرية وامامهم احمد بن حنبل والاشعرية وامامهم ابوالحسن الاشعرى والماتريدية وامامهم ابومنصور الماتريدى (۳۳)

''اہل السنّت والجماعت کے تین گروہ ہیں۔ اثریہ اور ان کے امام احمد بن حنبل۔ اشعریہ اور ان کے امام ابوالحسن اشعری اور ماتریدیہ اور ان کے امام ابومنصور ماتریدی''۔

ایک اور مقام پر فرقہ ناجیہ کی تعیین کرتے ہوئے لکھا ہے:

قال بعض العلماء : هم ـ يعنى الفرقة الناجية ـ اهل الحديث يعنى الاثرية والاشعرية والماتريدية ـ (۳۴)

''بقول بعض علماء فرقہ ناجیہ اہل الحدیث یعنی اثریہ اشعریہ اور ماتریدیہ ہیں''۔

امام مرعی بن یوسف الکرمی الحنبلی نے لکھا ہے:

وفرقة اخرى اثبتت الصفات المعنوية من نحو السمع والبصر والعلم والقدرة والكلام وهو مذهب جمهور اهل السنة والجماعة واتباع ائمة المذاهب الاربعة' ثم اختلفوا فيما ورد به السمع من لفظ العين واليد والوجه والنفس والروح ففرقة اولتها على ما يليق بجلال الله تعالى وهم جمهور المتكلمين من الخلف .....

وفرقة اثبتت ما اثبته الله ورسوله منها واجروها على ظواهرها.....(۳۵)

''اور ایک فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے سمع' بصر' علم' قدرت اور کلام وغیرہ صفات کا اثبات کرتا ہے اور یہ جمہور اہل السنّت والجماعت اور ائمہ مذاہب اربعہ کے پیروکاروں کا مذہب ہے۔ پھر ان کا عین' ید' وجہ' نفس اور روح وغیرہ صفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک فرقہ تو ان صفات کی اللہ تعالیٰ کے جلال کے لائق تاویل کرتا ہے اور یہ خلف میں سے جمہور متکلمین ہیں.....اور ایک دوسرا فرقہ تاویل کیے بغیر ان صفات کو ظاہری مفہوم پر محمول کرتا ہے.....''

امام موصوف نے صفات باری تعالیٰ کے بارے میں تاویل کرنے والوں اور ان کو ظاہری مفہوم پر محمول کرنے والوں دونوں کو اہل السنّت والجماعت میں شامل کیا ہے۔ بعینہٖ یہی کچھ لفظی اختلاف کے ساتھ محمد بن ابراہیم بن الوزیر یمانی(۳۶) نے اور ابن ابی العز الحنفی نے شرح عقیدہ طحاویہ میں لکھا ہے۔(۳۷)

اہل السنّت والجماعت کے عقائد کی حمایت اور معتزلہ کے ردعمل کے طور پر اشاعرہ اور ماتریدیہ کے نام سے دو طاقتور تحریکیں تیسری رچوتھی صدی ہجری میں برپا ہوگئیں جن کا بہت سارے بنیادی مسائل میں مکمل اتفاق کے ساتھ چند ایک فروع میں اختلاف بھی تھا جو کہ معمولی نوعیت کا تھا۔

اشاعرہ کون تھے؟

امام اشعری کا نام علی بن اسماعیل ہے۔ پیدائش ۲۶۰ھ میں بصرہ کے مقام پر ہوئی اور ۳۳۰ھ کے لگ بھگ بغداد میں وفات پائی۔ انہوں نے معتزلہ کے شیخ ابوعلی جبائی سے تعلیم پائی تھی' چنانچہ وہ معتزلہ کے ساختہ پرداختہ اور ان کے دسترخوان علم وفضل سے فیض یافتہ تھے۔ فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ زمانہ شاگردی میں اپنے استاد کی طرف سے مناظرہ کیا کرتے تھے۔ ایک دن خواب میں ہدایت ہوئی جس کی بنا پر بروز جمعہ لوگوں کو اکٹھا کر کے یہ تقریر کی جو المذاہب الاسلامیہ کے حوالہ سے ہم نقل کر رہے ہیں:

''اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا اسے آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میرا عقیدہ یہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے اور کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتا۔ میں نے برا کیا۔ اب اس سے توبہ کرتا ہوں اور معتزلہ کی تردید کے درپے ہوں.....

لوگو! میں کچھ عرصہ غائب رہ کر دلائل کا موازنہ کرتا رہا اور مجھے ان میں کچھ فرق نظر نہ آیا۔ میری نگاہ میں سبھی دلائل یکساں نوعیت کے تھے..... میں نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی کہ مجھے راہِ حق پر گامزن کر دے۔ چنانچہ جو ہدایت مجھے دربارِ ربّی سے ارزانی ہوئی اسے میں نے اپنی کتابوں میں لکھ دیا۔ سابقہ عقائد کے لبادہ کو میں نے یوں اتار پھینکا جیسے یہ لباس اُتار رہا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنا کپڑا جسے اوڑھ رکھا تھا اتار دیا اور اپنی کتابیں جو محدثین وفقہاء کے طرز پر لکھی تھیں لوگوں کے حوالہ کر دیں''۔(۳۸)

بعد ازاں بغداد جا کر حدیث وفقہ کی تکمیل کی اور معتزلہ کے رد میں کثرت سے کتابیں لکھیں۔ شافعیہ میں ان کی بڑی قدر ومنزلت ہوئی اور سینکڑوں ہزاروں علماء ان کے شاگرد ہو گئے۔ ان میں سے مشہور بزرگوں کے چند نام درج ذیل ہیں: ابوبکر قفال' ابوزید مروزی' ابوبکر جوزجانی' ابوعبداللہ الطائی' شیخ ابومحمد الطبری ابوالحسن باہلی۔ یہ لوگ اگرچہ خود بھی مشہور اور نامور تھے لیکن ان کے شاگرد ابوبکر باقلانی' ابواسحاق اسفرائینی' ابوبکر بن فورک اور پھر ان کے شاگرد امام الحرمین عبدالملک الجوینی' امام غزالی اور امام رازی وغیرہ ان سے بھی زیادہ نامور ہوئے۔ ان لوگوں کی عظمت واقتدار کی وجہ سے امام اشعری کی تصنیفات تمام دنیا میں پھیل گئیں۔

امام اشعری کی تصنیفات میں اہل السنّت کے جو عقیدے قرار دیے گئے ہیں وہ امام غزالی نے احیاء علوم الدین کے دیباچے میں قواعد العقائد کے نام سے شامل کیے ہیں۔ امام غزالی کے بعد امام رازی نے ان مسائل کو زیادہ منقح کر کے پیش کیا۔ ان کے بعد سب ان ہی کے خوشہ چین ہوتے آئے ہیں۔ اشعری مسلک کے جو مہمات مسائل ہیں اور جو بقول اشاعرہ سنت اور اعتزال میں حد فاصل ہیں وہ امام غزالی و امام رازی کے اصل الفاظ میں درج ذیل ہیں:

(۱) یجوز علی اللّٰہ سبحانہ وتعالی ان یکلف الخلق ما لا یطیقونہ خلافا للمعتزلۃ۔

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے جائز ہے کہ انسان کو اس کام کی تکلیف دے جو اس کی طاقت سے باہر ہے۔ معتزلہ کو اس مسئلہ میں ان سے اختلاف ہے۔''

(۲) ان للّٰہ عزوجل حق ایلام الخلق وتعذیبھم من غیر جرم سابق ومن غیر ثوابٍ لاحق خلافا للمعتزلۃ۔

''اللہ عزوجل کو حق ہے کہ مخلوقات کو عذاب دے بغیر اس کے کہ ان کا کوئی جرم ہو یا ان کو ثواب دے بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی نیک کام کیا ہو۔ معتزلہ کو اس سے اختلاف ہے۔''

(۳) ان تعالی یفعل بعبادہٖ ما یشاء فلا یجب علیہ رعایۃ الا صلح لعبادہ..... خلافاً للمعتزلۃ۔

''اللہ اپنے بندوں کے ساتھ جو چاہے کرے اس کے لیے وہ کام ضروری نہیں جو اس کے بندوں کے لیے زیادہ مناسب ہو' معتزلہ کو اس سے اختلاف ہے۔''

(٤) ان معرفۃ اللّٰہ سبحانہ وتعالی وطاعتہ واجبۃ بایجاب اللّٰہ وشرعہ لا بالعقل خلافاً للمعتزلۃ۔

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت اور اس کی اطاعت شریعت کی رو سے واجب ہے' عقل کی رو سے

نہیں۔معتزلہ کو اس سے اختلاف ہے۔''

(۵) المیزان حق و وجهه ان اللّٰه تعالٰی یحدث فی صحائف الاعمال وزناً۔
''ترازو حق ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نامہ اعمال کے دفتروں میں وزن پیدا کردے گا۔''
یہ تمام عقائد اپنی عبارتوں کے ساتھ احیاء العلوم کے دیباچے میں مذکور ہیں۔

(٦) قال اصحابنا دلت الاية علی انه تعالٰی لا یراعی مصالح الدین والدنیا[٣٩]
امام رازی لکھتے ہیں: ''ہمارے اصحاب (اشاعرہ) اس بات کے قائل ہیں کہ اس آیت قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین ودنیا کی مصلحتوں کا لحاظ نہیں کرتا۔''

(۷) ان البنية لیست شرطاً فی الحیٰوة فالنار علی ما هی علیه یجوز ان یخلق اللّٰه الحیٰوة والعقل والنطق فیها وعند المعتزلة ذلك غیر جائز[٤٠]
''زندگی کے لیے کوئی جسم یا خاص بناوٹ شرط نہیں۔مثلاً آگ میں اللہ تعالیٰ زندگی‘ عقل اور گویائی پیدا کرسکتا ہے۔معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔''

(۸) لا یمتنع ان یحضر عندنا جبال شاهقة واصوات عالیة ونحن لا نبصرها ولا نسمعها ولا یمتنع الینا ان یبصره الاعمی الذی یکون بالمشرق بقة بالمغرب وبالجملة فانه منکر جمیع تأثیرات الطبائع والقوی۔[٤١]
''یہ ناممکن نہیں کہ ہمارے سامنے اونچے اونچے پہاڑ موجود ہوں اور بلند آوازیں آتی ہوں اور ہم کو دکھائی اور سنائی نہ دیں۔اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ایک اندھا مشرق میں بیٹھا ہوا مغرب کے ایک مچھر کو دیکھ لے۔مختصر یہ کہ امام اشعری طبیعت اور قویٰ کی تمام تأثیرات کے منکر ہیں۔''

(۹) اما اهل السنة فقد جوزوا ان یقدر الساحر علی ان یطیر فی الهواء ویقلب الانسان حمارًا والحمار انسانًا۔[٤٢]
''اہل السنّت کے نزدیک جادوگر اس بات پر قادر ہوسکتا ہے کہ ہوا میں اُڑے اور انسان کو گدھا اور گدھے کو انسان بنادے۔''

(۱۰) لا تأثیر لقدرة العبد فی افعاله۔
''بندے کے افعال میں بندے کی قدرت کا کچھ اثر نہیں۔''

(۱۱) ان اللّٰه یرید الکفر من الکافر والعصیان من العاصی۔
''کافر کا کفر اور گناہگار کا گناہ خود اللہ نے چاہا تھا۔''

یہ وہ عقائد ہیں جو اشعریہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ان کے سوا اور بھی عقائد ہیں جن کو اجمالاً امام غزالی نے احیاء العلوم کے شروع میں نقل کیا ہے‘ جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ذات الٰہی: (۱) اللہ موجود ہے۔ (۲) واحد ہے۔ (۳) قدیم ہے۔ (۴) جوہر نہیں ہے۔ (۵) عرض نہیں ہے۔ (۶) کسی جہت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ (۷) کسی مکان میں نہیں ہے۔ (۸) وہ نظر آ سکتا ہے۔ (۹) ہمیشہ رہے گا۔ (۱۰) جسم نہیں ہے۔

صفات الٰہی : (۱) اللہ زندہ ہے۔ (۲) عالم ہے۔ (۳) قادر ہے۔ (۴) صاحب ارادہ ہے۔ (۵) سنتا ہے۔ (۶) دیکھتا ہے۔ (۷) بولتا ہے۔ (۸) حوادث کا محل نہیں۔ (۹) اس کا کلام قدیم ہے۔ (۱۰) اس کا علم وارادہ ہے۔

افعال الٰہی :(۱) افعال عباد کا خالق اللہ ہے۔ (۲) افعال عباد کے مکتسب عباد ہیں۔ (۳) اللہ نے ان افعال کا ہونا چاہا۔ (۴) اللہ نے جو خلق واختراع کیا یہ اس کا احسان ہے۔ (۵) اللہ کے لیے تکلیف مالایطاق دینا جائز ہے۔ (۶) بے گناہ کو سزا دینا اس کے لیے جائز ہے۔ (۷) اس پر مصلحت کی پابندی نہیں۔ (۸) واجب وہی چیز ہے جو شرع کی رو سے واجب ہے۔ (۹) انبیاء کا مبعوث ہونا ممکن ہے۔ (۱۰) محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت معجزات سے ثابت ہے۔

الحاصل یہ کہ اشاعرہ کے وہ مخصوص مسائل جو ان کی پہچان کا ذریعہ بن گئے تھے' درج ذیل ہیں:

(۱) انسان اپنے افعال پر قدرت مؤثرہ نہیں رکھتا۔ تاہم جبر سے بچنے کے لیے انہوں نے کسب کا قول اختیار کیا۔ بعد میں امام رازی نے کسب کا پردہ اٹھا کر اپنی تفسیر کبیر میں صاف صاف جبر کا قول اختیار کیا اور اس پر جا بجا دلیلیں قائم کی ہیں۔

(۲) اللہ کے افعال کا بغیر کسی مصلحت وحکمت کے ہونا۔

(۳) حسن وقبح کا عقلی نہ ہونا۔

(۴) زندگی کے لیے جسم کا مشروط نہ ہونا۔

(۵) دیکھنے کے لیے رنگ' جسم اور جہت کا مشروط نہ ہونا۔

(۶) کسی شے میں کسی خاصیت کا نہ ہونا۔

(۷) اشیاء میں سبب ومسبب کا سلسلہ نہ ہونا۔

امام اشعری کے مذکورہ بالا مخصوص مسائل کے اثبات میں امام غزالی اور امام رازی نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے مگر افسوس کہ ان کی یہ کوششیں رائیگاں گئیں' کیونکہ وہ مسائل ہی اس قسم کے تھے کہ ان کے اثبات میں جو کوشش کی جاتی رائیگاں جاتی۔ کیوں کہ یہ مسائل کہ:

اللہ تکلیف مالایطاق دیتا ہے۔

مسببات اسباب پر مبنی نہیں ہیں۔

جسم شرطِ حیات نہیں۔

جادو سے آدمی گدھا بن جاتا ہے۔
اللہ کے افعال کسی مصلحت وحکمت کے بغیر ہیں۔
کسی شے کے حسن وقبح کو عقل سے نہ سمجھنا وغیرہ، جیسے مسائل کس طرح ثابت کیے جاسکتے ہیں؟
(جاری ہے)

حواشی

(۱) لسان العرب، بذیل مادہ ا ۔ ھـ ۔ ل۔
(۲) القاموس المحیط، محمد بن یعقوب، محمد بن ابراھیم الفیروز آبادی، م ۸۱۷ھـ ۔ دار الکتب العلمیہ، ۴۵۳/۳۔
(۳) مفردات القرآن، راغب اصفھانی حسین بن محمد بن مفضل، م ۵۰۰ھـ ۔ مترجم، اھل حدیث اکادمی، کشمیری بازار لاھور۔
(٤) لسان العرب بذیل مادہ ۱۔ھـ ۔ل۔
(٥) لسان، بذیل مادہ ۱ ۔ ھـ ۔ل۔
(٦) النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر، ابن الاثیر: ۸۲/۱
(۷) سنن ابی داوٗد، کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ، حدیث ٤٦٠٧۔
(۸) مفردات القرآن بذیل مادہ س ن ن ۔
(۹) النھایۃ : ٤٠٦/۲۔
(۱۰) مسلم الثبوت مع شرحہ فواتح الرحموت بذیل المستصفی، ح ۲/۔
(۱۱) لسان العرب، بذیل مادہ ج ۔ م ۔ع۔
(۱۲) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب اثنان فما فوقھما جماعۃ (ترجمۃ الباب)۔ وسنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسُّنّۃ فیھا، باب الاثنان جماعۃ۔
(۱۳) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب فضل صلوۃ الجماعۃ۔ وصحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل صلوۃ الجماعۃ وبیان التشدید فی التخلف عنھا۔ وسنن النسائی، کتاب الامامۃ، باب فضل الجماعۃ۔ وسنن الترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی فضل الجماعۃ۔ وسنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، باب فضل الصلوٰۃ فی المسجد۔
(١٤) صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب کیف الامر اذا لم تکن جماعۃ، وکتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔ وصحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظھور الفتن وفی کل حال وتحریم الخروج من الطاعۃ ومفارقۃ الجماعۃ۔ وسنن ابن ماجۃ، کتاب الفتن، باب العزلہ۔ وسنن الترمذی، ابواب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعۃ۔
(١٥) صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب وکتاب العیدین باب اعتزال الحیض المصلی وکتاب الحیض، باب شھود الحائض العیدین ودعوۃ المسلمین ویعتزلن المصلی۔

(١٦) مسند احمد بن حنبل: ٢٢٩/٣۔
(١٧) الشرح والأبانة' ص ٢٠٦۔
(١٨) الاحكام فی اصول الاحكام: ١٢٨/٤۔
(١٩) الفرق بين الفرق' عبدالقاهر بن طاهر البغدادی م ٤٢٩هـ ' دار الافاق الجديدة' بيروت' ط ' ١٩٧٧ء'ص ١٠۔
(٢٠) سنن ابی داؤد' كتاب السنة' باب شرح السنة۔ وسنن ابن ماجه' كتاب الفتن' باب افتراق الامم۔ وسنن الترمذی' ابواب الايمان عن رسول الله ﷺ' باب ما جاء فی افتراق هذه الامة۔
(٢١) سنن الترمذی' ابواب الايمان عن رسول الله ﷺ' باب ما جاء فی افتراق هذه الامة۔
(٢٢) سنن الترمذی' ابواب الامثال عن رسول الله ﷺ' باب ما جاء فی مثل الصلوٰة والصيام والصدقة' والصحيح لابن خزيمة' ١٩٥/٣۔والسنن الكبرىٰ للبيهقی ١٥٧/١٨۔
(٢٣) مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح' مكتبه امدادية' ملتان ٢١٦/٧۔
(٢٤) لاسنة ولا شيعة ' محمد علی الزعبی' ص٦٧۔
(٢٥) حواله سابق۔
(٢٦) الابانة عن شريعة الفرق الناجية' طبع بيروت ١٩٨٨ء' ٣٧٧/١۔
(٢٧) الكلام اور علم الكلام' شبلی نعمانی' مسعود پبلشنگ ہاؤس' کراچی' مطبوعہ ١٩٦٤ء۔
(٢٨) الملل والنحل ' اردو ترجمہ پروفیسر علی محسن صدیقی کراچی یونیورسٹی' صفحہ ٣٩۔
(٢٩) الملل والنحل ص:٣٨۔ مع اضافه و تشريحات۔
(٣٠) اشاعرہ کے یہ عقائد شرح مواقف وغیرہ عقائد کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ملاحظہ ہو الكلام وعلم الكلام' ص ٢٩۔
(٣١) الفرق بين الفرق ' عبد القاهر بغدادی' ص ٣٠٠ تا ٣٠٣ ملخصًا۔
(٣٢) العين والاثر' ص ٥٢۔
(٣٣) لوامع الانوار شرح عقيدتية' ٧٣/١۔
(٣٤) ايضاً: ٧٦/١۔
(٣٥) اقاويل الثقات' ص ١٣٣۔
(٣٦) العواصم والقواصم: ٣٣١/٣و ١١٨/٤۔
(٣٧) شرح العقيدة الطحاوية' ص ١١٨۔
(٣٨) المذاهب الاسلامية' ص ٢٠٤ و ٢٠٥۔
(٣٩) تفسير كبير' سورة المائدة' آيت ﴿وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا﴾
(٤٠) تفسير كبير' تفسير سورة الفرقان' آيت ﴿اِذَا رَءَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴾
(٤١) المطالب العالية' امام رازی' بحث شبهات بر نبوت۔
(٤٢) تفسير كبير' قصه هاروت و ماروت۔

❁❁❁